سرکاری مناصب کااستعمال قرآن وسنت کی روشنی میں

The use of official status; Qur'an and Sunnah perspective

*ڈاکٹر زینت ہارون

Abstract

When the creator of this universe sent down the Adam's family to earth with this command that "There should definitely come up to you the guidance from me, then whosoever follows my guidance, then no fear shall be on them, neither shall they grieve" According the better use of official status, the Qur'an says That "creator made you succeeding each other, and has raised some of you above others in degrees, that he may try you in what He has brought you"

***Key Words**: Official Status, Creator, Success, Universe guidance.*

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ۔(۱)

"اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو نائب بنایا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تا کہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے بے شک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے"

*۔ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدرِ شعبہ، قرآن وسنۃ

درجہ بالا آیت مبارکہ اس موضوع کی مکمل تصویر ہے۔ اللہ نے اس آیت کے ذریعے انسانوں پر واضح فرمادیا کہ ان کو جو مناصب بھی دیے گئے ہیں چھوٹے بڑے وہ صرف اعزاز نہیں ہیں بلکہ اس میں ان کی آزمائش رکھی گئی ہے اور ان کے اعمال کے بعد ان کی جزا و سزا کا فیصلہ کیا جاسکے گا۔ اس آیت میں اللہ نے سرکاری مناصب کے استعمال کو واضح فرمادیا۔ اب ان کا استعمال غلط یا صحیح یہ انسان پر منحصر ہے۔

ہم دیکھتے ہیں آپ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ہر انسان کو کیسے اپنی ذمہ داری پوری کرنی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح فرمادیا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾ [۲]

''ہم نے تمہارے پاس رسول کو بھیجا جو تم ہی میں سے ہے وہ ہماری آیتیں تم کو سناتا (اخلاق رزیلہ سے) تم کو پاک کرتا، کتاب اور حکمت کی تعلیمات ہے اور وہ علوم سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے''

مندرجہ بالا آیت سے بعثتِ رسول کا مقصد واضح ہے کہ آپ ﷺ صرف دین کی نہیں بلکہ تمام دنیاوی معاملات کی سمجھ بوجھ رکھتے تھے اور آپ ﷺ نے زندگی گزارنے کے تمام رہنما اُصول تمام انسانوں کے لیے فرمادیے۔ معاش، سیاست، ثقافت، مذہب، ہر موضوع پر آپ ﷺ کی سیرت طیبہ بین ثبوت ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی ابتدائے بنوّت سے وفات تک اللہ تعالیٰ کے احکامات ہم تک پہنچانے میں گزری اور آپ ﷺ نے ہر بات کو عملاً کرکے دکھایا اسی لیے آپ ﷺ کے اخلاق کو بلند درجہ دیا گیا۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿٤﴾ [۳]

''بے شک آپ ﷺ اخلاق کے بلند درجے پر ہیں''

سرکاری مناصب کا استعمال، اس میں حاکم اور اس کے نمائندے تمام افراد کو شمولیت حاصل ہے۔ یہاں نبی اکرم ﷺ کی مدنی زندگی کا مکمل جائزہ لیا جائے تو آپ ﷺ کے ہر اقدام میں ہمیں سرکاری مناصب پر فائز لوگ اور ان کی ذمہ داریاں واضح طور پر ملتی ہیں ان تمام اُمور کا جائزہ لیا جائے جو نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد سرانجام دئے تو ہمیں اپنا مکمل موضوع نظر آتا ہے۔ پہلی اسلامی ریاست مدینہ المنورہ کا قیام اور قیام امن کے لیے اقدامات اور مختلف افراد

کوان کے فرائض سونپنااوراس کے بعد بے فکرنہ ہوجانابلکہ ہر شخص کی حرکات وسکنات کامکمل جائزہ لیناتاکہ غلط کارکردگی پراس کو پکڑاجاسکے۔الغرض آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ [۴]

''اورآپ کوتمام عالم کے لیے رحمت بناکر بھیجاگیا''

جس ہستی کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بناکر بھیجاگیااس کی تعلیمات ہر مکتبہءفکراور ہر دور کے لیے ہیں۔قیام امن کے لیے اقدامات ہوں یاایک بہترین ریاست کا قیام۔دشمنوں سے تعلقات ہوں یاان کے خلاف معرکات ہر جگہ آپؐ نے اپنے ہر فعل سے مسلمانوں پر واضح فرمادیا کس طریقے سے اور کس راہ پر چلنا ہے۔سرکاری مناصب وذرائع کے استعمال کے حوالے سے بھی تعلیماتِ نبوی ﷺ حاکم اور دوسرے عہدیداروں کے لیے واضح ہیں۔

سب سے پہلے حاکم کاذکر ہے ریاست کو چلانے والا۔ اللہ تعالیٰ نے حاکم کی تعریف واضح طور پر قرآن میں فرمادی ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٤١﴾ [۵]

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگرہم انہیں زمین میں اقتدارعطاکریں تو یہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ اداکریں اور نیکی کاحکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام معاملات کاانجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اچھی حکومت کے مقاصد بیان فرمادیے اور ان پر اگر غور وفکر کی جائے تو دینی اور دنیاوی دونوں مقاصد پورا کرتے ہیں نماز اور زکوٰۃ کاحکم، نماز سیدھی راہ کاذریعہ اور زکوٰۃ کے ذریعے معاشرے میں معاشی کیفیت کو درست کرنانیکی کاحکم اور بدی سے روکناایک بہترین معاشرے کے قیام کاذریعہ ہے اس کے نتیجے میں معاشی معاشرتی مذہبی سیاسی سماجی تمام مقاصد پورے ہوتے ہیں۔کیوں کہ جب حاکم صوم صلوٰۃ کاپابند اور نیکی وبدی کارکھوالا ہوگااور نیکی کے قیام اور بدی کے خاتمہ میں بھرپور کرداراداکرے گاتواس کے ماتحت تمام افراد جو سرکاری عہدوں پر فائز ہوتے ہیں وہ اپنے مناصب کااستعمال ذمہ داری سے کریں گے اور ان کوان کے منصب کااستعمال ذمہداری اور انصاف سے کرنے پر اُکسایاجاتاہے جس کانتیجہ معاشرے کی بے راہروی کاخاتمہ ہے۔اس آیت میں سب سے پہلے نماز کے قیام کاحکم ایک بہترین حکمران کا مقصد بتایاگیاہے۔ نماز صرف ایک عبادت نہیں بلکہ دنیاوی لحاظ سے وقت کی پابندی،

اُصولوں کی رواداری۔ سیدھی راہ کاذریعہ اوراچھے بُرے کی تمیز سکھاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں نبی کریمﷺ کی مدینہ ہجرت کاپہلا مقصد عبادات کو بھرپور طریقے سے ادا کرنا تھا کیوں کہ مکہ مکرمہ میں رہ کر چھپ کر عبادت کرنااور دشمنوں سے بچنا بہت مشکل کام تھا۔

امام مالک موطاء میں روایت کرتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو یہ خط لکھاکہ میرے نزدیک تمہارے تمام کاموں میں سب سے اہم چیز نماز ہے لہٰذا جو کوئی اس کی حفاظت کرے گااس کی پابندی کرے گا وہ دین کی حفاظت کرے گااور جو کوئی نماز کو برباد کرے گااس کے دوسرے کام زیادہ برباد ہوں گے''(۶)

یہ ذاتی خط یاتاکید تھی بلکہ ایک سرکاری فرمان تھاجو تمام گورنروں کو بھیجا گیا تھاجو کوئی جس منصب پر بھی تھا اس کی پہلی ذمہ داری نماز کی ادائیگی تھی یہ تعلیمات نبویﷺ ہی ہیں جن کی روشنی میں تمام خلفاءاپنے کام سرانجام دیتے تھے۔اس لیے نبی کریمﷺ نے اللہ کے حکم سے ہجرت فرمائی واللہ ہجرت فرماتے ہیں اور مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قیام فرماکر سب سے پہلے مسجد کی تعمیر فرماتے ہیں۔اسلام کی پہلی مسجد، مسجد قباء جس کی بنیاد اپنے دستِ مبارک سے ڈالی آپﷺ نے تمام اُمتِ مسلمہ پر واضع فرمادیا کہ سب سے پہلا مقصد عبادت ہی ہے نماز کی ادائیگی ہی سب کچھ ہے۔

جن کی شان قرآن مجید میں ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی۔ (۷)

''وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پر ہیزپر رکھی گئی ہے''

مدینہ پہنچے وہاں قیام فرمایامدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانہ خدا کی تعمیر تھی۔

مسجد نبوی جو صرف ایک مسجد نہ تھی بلکہ باقائدہ ایک سیکریٹریٹ کا کام سرانجام دیتی تھی۔ جہاں اہم کام سرانجام دیئے جاتے تھے۔

ہجرت مدینہ کے بعد جلد ہی ایک اجلاس طلب کیا گیاشہر مدینہ کی آبادی جو مختلف عناصر پر مشتمل تھی ان سب کے نمائندوں کو بلایا گیااور ان کے سامنے حکومت قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی اکثریت نے قبول کیا۔اس طرح ایک

مملکت قائم ہوتی ہے جو شہر پر ہی نہیں بلکہ ایک شہر کے کچھ حصے پر مشتمل ہونے کے باوجود علمی اور تاریخی نقطہء نظر سے ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے وہ یوں کہ ایک مملکت میں حکمران اور رعایا کے جو حقوق و فرائض ہوں گے ان کو تحریری طور پر مرتب کیا گیا دوسرے الفاظ میں اس مملکت کا دستور مرتب کرکے سب کے سامنے پیش کیا گیا اور سب کے مشورے سے اسے الگ لکھا گیا۔ اس تاریخی دستاویز کی خاص قابلِ ذکر اہمیت یہ ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور "اُمّی" شخص کے ہاتھوں وجود میں آتا ہے۔[۸]

میثاق مدینہ ایسا معاہدہ جس میں صرف مسلمان نہیں بلکہ تمام یہود قبائل بھی شامل ہیں اور نبی کریم ﷺ کی حاکمیت کو قبول کرتے ہیں لوگ آپ کے عدل کا اعتراف کرتے غیر جانبداری کو سراہتے تھے یہ دستور پورے مدینہ کے لیے امن کا ذریعہ ثابت ہوا یعنی امن کے قیام کے لیے آپ ﷺ نے کس طرح تدبر و فراست سے کام لیا اور بغیر لڑائی کے مدینہ جیسے شہر میں امن وامان کا قیام فرمایا" یہ دستور نہ صرف مسلمان کے تحفظ کا باعث بنا بلکہ اس سے غیر مسلموں کو بھی برابر کے حقوق ملے مثلاً یہودیوں میں بنو قینقاع جو کہ سنار تھے جب کہ بنو قریظہ چوں کہ پیشے کے اعتبار سے چمار تھے کم تر اور حقیر سمجھے جاتے تھے اور ان کی دیت بنو قینقاع اور بنو نضیر کے یہودی کی نسبت آدھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نا انصافی کو منسوخ فرمایا اور بنو قریظہ کی دیت کو دوسرے یہودیوں کے برابر قرار دیا"[۹] یہی نہیں بلکہ اس دستور کی ایک شق کے مطابق کوئی حملہ کرتا ہے تو تمام قبائل شریک ہوں گے یہاں سے فوج کے محکمے کو استحکام ملا۔ فوجی انتظامات گو کہ نبی کریم ﷺ خود فرماتے مگر تمام قبائل کی ان میں شمولیت تھی۔

عہد نبوی میں شروع ہونے والا یہ نظام ہم دیکھتے ہیں کیسے خلفائے راشدین کے دور میں نمو پاتا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ خطبات بہاولپور میں کہتے ہیں:

آپ ﷺ کو پرانے انتظامات وراثت میں بالکل نہیں ملے فوج، خزانہ و تعلیم، عدلیہ اور انتظامیہ کے اداروں میں سے کوئی چیز وہاں نہ تھی ہر چیز نبی کریم ﷺ کو خود ہی نقطہ صفر سے پیدا کرنی اور ترقی دینی تھی اس زمانے میں اتنے دفتر اور اتنے محکمے نہیں ملیں گے جو آج بیسویں صدی میں ہیں اپنے آس پاس نظر آتے ہیں۔[۱۰]

مختلف محکموں کے حوالے سے ہم ذکر کرتے ہیں تو سب سے پہلے نماز کا ہی ذکر آتا ہے کہ کس طرح نبی کریم ﷺ ایک حبشی غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کے لیے منتخب فرماتے ہیں کیوں اس لیے کہ وہ یہ ذمہ داری بحسن وخوبی سرانجام دے سکتے تھے یہی نہیں بلکہ ان کا ایک نائب یا مددگار بھی مقرر کیا گیا۔

عہد نبوی ﷺ میں تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی آپ بحیثیت معلم دینی و دنیاوی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے خود آنحضرت ﷺ نے صراحت سے فرمایا:

إنما بُعِثتُ مُعَلِّماً (۱۱)

''میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں''

عالم الغیب والشہادہ نے معلم الکتاب والحکمۃ کی بعثت ہی بحیثیت معلم فرمائی چنانچہ سفر حضر، رات و دن، ہر حال اور ہر مقام پر معلم انسانیت ﷺ کی ذاتِ مقدسہ متحرک درسگاہ تھی۔

پورے دور نبوی میں باقائدہ درسگاہ نہ تھی مسجد نبوی ﷺ میں ہی آپ ﷺ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے لوگوں کو قرآن سناتے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں ایک حصہ بطور "صفہ" مختص کیا گیا جسے اسلامی تاریخ میں پہلی باقائدہ درسگاہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح مسجدِ نبوی ﷺ پہلی درسگاہ تعلیم و تربیت تھی جس کے لیے آج کی زبان میں جامعہ یا یونیورسٹی کی تعمیر اختیار کی جاسکتی ہے۔ اس یونیورسٹی (صفہ) کا نصاب:

(i) قرأت قرآن
(ii) تزکیہ
(iii) تعلیم کتاب
(iv) تعلیم حکمت
(v) علم نو کی تعلیم

یہاں صرف تعلیم نہ دی جاتی تھی بلکہ یہاں اقامت کی سہولت بھی تھی بے خواندہ لوگ حصولِ تعلیم کے لیے وہیں رہتے تھے یعنی آج کی زبان میں اقامت گاہ (Hostel) جہاں دور دراز سے طالب علم آکر رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ بیرونی طلبا دور دراز مقامات اور قبائل سے درسگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور واپس جاکر دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔ رسول اور صحابہ بہتر سے بہتر انتظام کیا کرتے تھے یعنی شعبہ تعلیم ایک بھرپور ذمہ داری تمام صحابہ اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی ادا فرماتے تھے اور طلباء اپنی ذمہ داری پوری کرتے یعنی سیکھانا اور سکھانا ،انصار مہاجرین غلام ہر طبقہ یہاں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ مسجد نبوی عبادت گاہ، درس گاہ کا ہی نام نہیں دینی تھی بلکہ یہاں تمام اہم فیصلے ہوتے تھے چاہے کسی کا مقدمہ ہو یا جنگ کا فیصلہ۔

مسلم معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جس میں انصاف، مساوات، شورائیت، اخلاق اور معاملہ بالمثل (جیسا کرو ویسا بھرو) کی بنیاد پر معاملات انجام پاتے ہیں۔

ہم عدل وانصاف کے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں تو شعبہ عدالت جس میں قاضی مقرر کرنا اور دیکھنا کہ وہ اپنے فرائض کو کس ذمہ داری سے پورے کرتا ہے۔ قانون کے سامنے کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہوتی اللہ خود عدل وانصاف کی تاکید ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (۱۲)

"بیشک اللہ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے"

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ (۱۳)

"اور تم کو کسی قوم سے بغض وعداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کیا کرو یہی پرہیز گاری کی بات ہے"

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ منصفانہ قانون کی بنیاد پر افراد اور گروہ میں فرق کے بغیر معاملات کیئے جاتے ہیں۔

عہد رسالت میں قضاوافتا کا محکمہ قائم ہوا جس میں مقدمات کی سماعت کے لیے قاضی مقرر کیے گئے کسی خاص مقدمے اور فوری نوعیت کے مقدمات کے لیے وقتی قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا جاتا تھا۔ آپ نے قضا کی ذمہ داریوں کے متعلق فرمایا کہ "جس شخص کو قاضی مقرر کیا گیا اسے گویا بغیر چھری کے ذبح کیا گیا انصاف رسانی میں قاضی کو چاہیے کہ صرف رُوداد پر فیصلہ کرے اپنی ذاتی معلومات کو اس میں دخل نہ دے۔ (۱۴)

عدل وانصاف کے معاملے میں آپ ﷺ حسب نسب کا لحاظ نہ کرتے تھے۔

"حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی تھی قریش کے لوگوں کے لیے یہ معاملہ اہمیت اختیار کر گیا اور انہوں نے کہا کہ آنحضور ﷺ سے اس معاملہ میں کون بات کر سکتا ہے اسامہ رضی اللہ عنہ کے سوا جو رسول ﷺ کے بہت عزیز تھے۔ کوئی آپ سے سفارش کی جراءت نہ کر سکتا تھا چنانچہ اسامہ ضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے گفتگو کی تو رسول ﷺ

نے فرمایا کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرنے آئے ہو پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لیے گمراہ ہوگئے کہ جب ان میں کوئی بلند مرتبہ شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنتِ محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔ پھر آپ ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا،،(۱۵)

عدل کے معاملے میں اپنی بیٹی کا بھی لحاظ نہ کرنا یہ اپنے منصب کا صحیح استعمال ہے پھر اس حدیث شریف سے سفارش کا عنصر بھی سامنے آجاتا ہے کوئی شخص بے جا حمایت نہ کرے سرکاری مناصب میں سفارش قبول نہ کرنا لازم ہے نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے واضح فرمادیا کہ سفارش کرنے والا حدود الٰہی میں ہاتھ ڈالنا ہے سفارش چاہے بیٹے کی طرف سے یا کسی معتبر کی طرف سے انصاف کو ملحوظِ نظر رکھنا لازم ہے۔

مختلف مقامات پر قضا حضرات کو مختلف ہدایات دی جاتی رہیں مثلاً ایک مرتبہ حضرت علی ضی اللہ عنہ کو ایک جگہ کا قاضی بنا کر بھیجا گیا یہ بالکل نوجوان تھے انہیں قاضی نامزد کیا گیا تو کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں نے تو کبھی یہ کام کیا ہی نہیں یہ خدمت کیسے انجام دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ ایک بنیادی اصول میں تمہیں بتاتا ہوں جب کوئی تمہارے پاس آئے اور کوئی شکایت کرے تو صرف اس کی بات سن کر فیصلہ نہ کرو جب تک کہ مدعی علیہ یا فریق ثانی کو بھی بلا کر اس کا بیان نہ سن لو پھر دونوں کے بیانات کی روشنی میں تم اپنی صوابدید سے فیصلہ کر سکتے ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کہتے ہیں اس کے بعد میں ساری عمر عدالتی فیصلے کرتا رہا ہوں اور مجھے کبھی جھجھک نہ ہوئی کیونکہ یہ بنیادی اصول تھا کہ دونوں آدمیوں کی باتیں سنوں اور اس کی روشنی میں صحیح نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کروں۔(۱۶)

دل وانصاف کے قیام وانتظام کے حوالے سے معارف الحدیث میں ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اہل حکومت اور ارباب اقتدار میں سے) عدل وانصاف کرنے والے بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی آخرت میں) نور کے منبروں پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل وعیال اور متعلقین کے معاملات میں اور اپنے اختیارات کے استعمال کے بارے میں عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔ یعنی عدل

وانصاف کرنااور ہر معاملے میں اس کو اختیار کرناایک بہترین عمل ہے اور عدل وانصاف کے لیے جس منصب پر بھی فائز کیاجائے اپنے اختیارات کا صحیح استعمال ہی اللہ کے نزدیک لے جاتاہے"[۱۷]

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرنے والے حاکم قیامت کے دن اللہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارے ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کاسب سے زیادہ قرب حاصل ہو گااور (اس کے برعکس) وہ اربابِ حکومت قیامت کے دن اللہ کے سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے جو بے انصافی سے حکومت کریں گے"[۱۸]

سرکاری مناصب کاذمہ داری سے استعمال کرناارباب اختیار کے لیے لازمی ہے سفارش کے حوالے سے ہم نبی کریم ﷺ کافرمان تحریر کرچکے ہیں سب سے بڑی رکاوٹ رشوت بھی ہے۔رشوت وہ برائی ہے جو منصب کی ذمہ داری میں حائل ہوتی ہے۔انسان اپنی ضروریات کو پوری کرنے اور آگے بڑھنے کی کوشش میں رشوت جیسی برائی میں پھنس جاتا ہے نبی کریم ﷺ نے اس بُرے فعل پر لعنت فرمائی ہے اور اس بیماری سے بچنے کا حکم فرمایاہے:

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر"[۱۹]

رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی گئی یعنی یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے کیوں کہ اس کے نتیجے میں انسان برائی کا شکار ہو جاتاہے اور معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہو جاتاہے۔

"سیدناعمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں سے متعلق سوال ہو گا پس امیر نگران ہے"[۲۰]

واضح کر دیا گیا کہ تمام سربراہ جن کے ماتحت ہیں اُن کے ماتحتوں کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا کیونکہ صرف حکمران ہوناسب کچھ نہیں ہے بلکہ حکمرانی کے فرائض ہیں کہ جن کو مناصب عطاکیے جائیں ان کی نگرانی بھی کی جائے آج دنیا میں حکمرانی کو ایک حق سمجھا جاتاہے ایک مفاد سمجھا جاتاہے لہٰذا اگر کوئی حاکم بن جاتاہے تو اسے خوش نصیب سمجھا جاتاہے اور اگر کوئی اس منصب کو نہیں پاتا تو وہ محروم سمجھا جاتاہے یہ تو واضح طور پر بتایا گیا کہ منصب کو مفاد نہ سمجھا جائے بلکہ وہ ایک کڑاامتحان ہے۔

رشوت جسے آج اہم ضرورت قرار دیا جاتا ہے اور عدل و انصاف کا مرحلہ ہو یا کسی اور محکمہ کا مسئلہ ہو۔ بجلی کے بل معاف کروانے ہوں یا بینک کے قرضے معاف کروانے ہوں، خراب مال کو درست قرار دینا ہو یا کسی بے گناہ کو گنہگار بنانا ہو، تمام معاملات میں رشوت کو اہم جز سمجھا جاتا ہے جو کہ ایک پرامن معاشرے کے لیے بہت بڑا ناسور ہے۔ ایک مسلم معاشرے کی سالمیت کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ اگر مسلمان سیرۃ طیبہ ﷺ پر عمل کریں اور رشوت کو حرام اور برا فعل سمجھیں تو ہمارا معاشرہ پُرامن معاشرہ بن سکتا ہے مختلف مناصب پر فائز لوگ اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے رشوت سے گریز کریں تو معاشرہ بہتر ہو سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات ہی تھیں کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان نظاموں کو رائج و قائم رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صوبوں میں وہی عدالتی نظام قائم رکھا جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا گورنروں اور ججوں کو پورے انتظامی و عدالتی اختیارات حاصل تھے۔

محمد طفیل نقوش سیرت میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں قانون کی حکمرانی تھی قانون اور غیر جانبداری کے اصول قائم تھے اور بلا لحاظ مرتبہ، دولت یا سرکاری منصب ہر ایک پر مساوی طور پر قانون کا اطلاق ہوتا تھا اسلامی قانون کے بنیادی اصول و قوائد و کلیات پہلے ہی رسول ﷺ کے زمانہ میں مرتب کر دیے گئے تھے اور جو مقدمات فیصلہ کے لیے عدالت میں لائے جاتے ان پر اطلاق کے ضابطے بھی وضع کیے جا چکے تھے خلیفہ اول نے اپنے نظامِ حکمرانی سے ثابت کر دیا تھا کہ لوگوں کو عدل و انصاف کی فراہمی کی ضمانت حاصل ہے۔ [۲۱]

یعنی صرف دور نبوی میں ہی نہیں بلکہ خلفائے راشدین کے دور میں بھی منصب کے استعمال اور ذمہ داری کو پوری دیانت داری سے نبھایا گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کے حوالے سے ذکر ہے:

عبداللہ بن السعدی نے خبر دی کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں آئے تو ان سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا مجھ سے جو کہا گیا وہ صحیح ہے کہ تمہیں لوگوں کے کام سپرد کیے جاتے ہیں اور جب تنخواہ دی جاتی ہے تو تم اسے لینا پسند نہیں کرتے! میں نے کہا صحیح ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارا اس سے کیا مقصد ہے میں نے عرض کیا میرے پاس گھوڑے اور غلام ہیں میں اچھی طرح ہوں۔ میں چاہتا ہوں میری تنخواہ کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا جائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ایسا نہ کرو میں نے بھی وہی ارادہ کیا ہے جو تم نے کیا

ہے رسول ﷺ مجھے عطا کرتے تو میں عرض کر دیتا تھا کہ اسے مجھ سے زیادہ اس کے ضرورت مند کو عطا فرما دیجیے آخر آپ نے ایک مرتبہ مجھے مال عطا کیا میں نے بات دہرائی کہ اسے ایسے شخص کو دیں جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے آپ نے فرمایا کہ اسے لو اور اس کا مالک بننے کے بعد صدقہ کر و یہ مال جب تمہیں اس طرح ملے کہ تم اس کے خواہش مند نہ ہو اور نہ اسے مانگا ہو تو اسے لے لیا کرو اور اگر اس طرح نہ ملے تو اس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔[۲۲]

یہ ہے سرکاری مناصب کا استعمال کہ سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں ان کے بعد بھی لوگ تنخواہ سے گریز کرتے ہیں آج کے دور میں ان تمام چیزوں کی ضرورت ہے لوگ سرکاری منصب کی حرص صرف اس لیے نہ کریں کہ انہوں نے اپنی جائیدادوں میں اضافہ کرنا ہے اور اپنے رشتہ داروں، بچوں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرتا ہے بلکہ صرف اس لیے یہ ذمہ داری لیں کہ اپنے ملک کو ترقی کی دوڑ میں سب سے آگے لے جائیں گے اور سفارش رشوت غیر ذمہ داری جیسے اُصولوں کو ختم کر کے دیانت داری ذمہ داری کا ثبوت دیں۔

> ''سیّدنا عبد الرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبد الرحمٰن! تم حکومت کے کسی منصب کا سوال نہ کرنا اس لیے کہ اگر یہ منصب تجھے سوال کرنے سے ملے گا تو پھر یہ تیرے سپرد کر دیا جائے گا اور یہ اگر تجھے بغیر سوال کیے مل گیا تو اس پر تیری مدد ہوگی،،[۲۳]

یعنی منصب کی خواہش ہی نادانی ہے یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے چاہ کے نتیجے میں اللہ بھی بے پرواہ ہو جاتا ہے۔اور اگر بغیر چاہ کے مل جائے تو اللہ خود مددگار ہوتا ہے۔ مناصب وذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال سے ایک پُر امن معاشرہ قائم ہو سکتا ہے اگر عدل وانصاف کا قیام، عدم توازن کا خاتمہ ہو، سفارش اور رشوت جیسے عناصر کا قلع قمع کر دیا جائے اور ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے، عدل سے پورا کرے تو ایک پُر امن معاشرے کا قیام ممکن ہے اور ایسے پُر امن معاشرے کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ سیرۃِ طیبہ ﷺ پر عمل کیا جائے۔

حوالہ جات

۱۔القرآن،۶: ۱۶۵

۲۔القرآن،۲: ۱۵۱

۳۔القرآن،۶۸: ۴

۴۔القرآن،۲۱: ۱۰۷

۵۔القرآن،۲۲: ۴۱

۶۔علامہ، شبلی نعمانی، ۱۹۷۵ء، سیرۃالنبیﷺ، مکتبہ رحمانیہ،اُردو بازار، لاہور، جلد۱، ص:۱۷۲

۷۔القرآن،۹: ۱۰۸

۸۔ڈاکٹر حمیداللہ، ۱۹۹۲، خطباتِ بہاولپور، اسلام آباد، ادارہءِ تحقیقاتِ اسلامی، ص: ۲۰۴

۹۔ڈاکٹر حمیداللہ، ۱۹۱۴، رسول اللہ کی سیاسی زندگی، کراچی دارالاشاعت، ص: ۲۵۳

۱۰۔ڈاکٹر حمیداللہ، خطباتِ بہاولپور، ص:۲۰۷

۱۱۔ابن ماجہ، ۱۹۹۸، سنن ابنِ ماجہ، بیروت، داراحیاالترث العربی، ص: ۸۳، ج: ۱

۱۲۔القرآن،۹۰: ۱۶

۱۳۔القرآن،۵: ۸

۱۴۔محمد اسمٰعیل، ۲۰۰۴، مطالعہ نقوشِ سیرتﷺ، کراچی، طاہر سنز، ص: ۲۵۹

۱۵۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ۱۳۷۸ھ، مصر، مکتبۃ البابی، کتاب الحدود باب اقامۃالحدود علی الشریف الوضیع، حدیث ۲۷۸۷

۱۶۔ڈاکٹر حمیداللہ، خطباتِ بہاولپور، ص: ۲۱۶

۱۷۔مولانا محمد منظور نعمانی، ۱۹۸۲ء، معارف الحدیث، کراچی، دارالاشاعت، کتاب المعارف۔ ج: ۷، ص: ۵۵۴

۱۸۔مولانا محمد منظور نعمانی، معارف الحدیث،۔ ج: ۷، ص: ۵۵۵

۱۹۔ترمذی، امام محمد یحیٰ، ۱۹۸۸، جامع ترمذی، مصر، مکتبۃ البابی، ابواب الاحکام، ص: ۴۸۳

۲۰۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الاحکام، ج: ۳، ص: ۷۸۷، حدیث: ۲۰۰۹

۲۱۔محمد طفیل، ۱۹۸۴، نقوش کا رسول نمبر، لاہور، ادارہ فروغ اردو، ج دہم، ص: ۵۴۲

۲۲۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ۷۹۸، حدیث: ۲۰۳۴

۲۳۔مسلم بن حجاج، ۱۹۷۵ء، صحیح مسلم، مصر، مکتبۃ البابی، کتاب الامارہ، حدیث: ۴۷۱۵